

قربانی کا پیغام

سید ابوالاعلیٰ مودودی

دنیا کا نظام جن الہی قوانین پر قائم ہے، ان میں سے ایک قانون یہ بھی ہے کہ اشیا کو اُن کے کمالات کی طرف ترقی دینے میں، جس طرح مبداء فیاض کی طرف سے علی قدر مراتب، جو دو بخشش کا فیضان ہوتا ہے، اُسی طرح خود اشیا کو بھی کمال کے ہر نئے مرتبے میں اپنے پچھلے مرتبے کے لوازم اور مالوفات و مرغوبات کو قربان کرنا پڑتا ہے، اور اس قربانی کے بغیر تحصیل کمالات کے سفر میں وہ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتیں۔

بخار [بخارات] کو پانی بننے کے لیے اپنی آزادی اور ہوائیت کو قربان کرنا پڑتا ہے، اور وہ تقیّدات قبول کرنا ہوتے ہیں، جو مائیت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ پانی کو برف بننے کے لیے پھر اپنی رہی سہی آزادی سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے، اپنے بہت سے آبی خواص کی قربانی دینی ہوتی ہے، تب جا کر اُسے پتھر کی سی سختی اور شیشے کی سی صفائی اور چمک میسر ہوتی ہے۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ بخار کے لیے حالت بخار میں رہتے ہوئے اور ہوا کی سی آزادی و لطافت رکھتے ہوئے وہ کمالات بھی جمع ہو جائیں جو صورتِ مائیت کے ساتھ مخصوص ہیں، اور وہ کمالات بھی جو برف کے لیے مقدر کیے گئے ہیں۔

یہ سنتُ اللہ ہے جس میں کوئی استثنا اور تغیر و تبدل نہیں، وَ لَکِن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ﴿۲۳۸﴾ (الفتح ۲۳۸)۔ تمام مخلوقات عالم پر یہی قانون جاری ہے، اور سب کی طرح انسان بھی اسی کے زیر اثر ہے۔ نطفہ اپنی صورتِ نطفیہ کو قربان کر کے صورتِ انسانیہ حاصل کرتا ہے، بچہ اپنے بچپن کو قربان کر کے جوانی حاصل کرتا ہے، اور جوان اپنی جوانی کھو کر بڑھاپے کی بزرگی حاصل کرتا ہے۔ پھر زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں ترقی کرنے اور اعلیٰ مراتب تک پہنچنے کے لیے

انسان کو کچھ نہ کچھ قربانیاں نہ دینی پڑتی ہوں۔

بڑائی اور بزرگی کا دامن ہر میدان میں قربانی اور ایثار کے ساتھ وابستہ ہے۔ ایک بڑے فائدے کے لیے بہت سے نقصانات برداشت کرنے پڑتے ہیں، ایک بڑی لذت کے لیے بہت سی تلخیاں گوارا کرنی پڑتی ہیں، ایک اعلیٰ مرتبے کے لیے بہت سے اُن مزوں کو ہاتھ سے دینا پڑتا ہے جو ادنیٰ مراتب میں حاصل تھے۔ جس علامہ کی جلالتِ علمی پر آپ رشک کرتے ہیں، اُس سے پوچھیے کہ اس نے کتنی راتیں آنکھوں میں کاٹی ہیں اور کتنا خونِ جگر تحقیق و اکتشاف کی راہ میں کھپایا ہے؟ جس مَلِکِ النُّجَبَا کی دولت کو دیکھ کر آپ کے منہ میں پانی بھرا آتا ہے، اس سے پوچھیے کہ روپیہ کمانے کی جدوجہد میں کس طرح اس نے دن کے آرام اور رات کے چین کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے؟ جس مدبرِ سلطنت کے اقتدار اور شان و شوکت کو دیکھ کر آپ کی آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی ہیں، اس سے پوچھیے کہ اسے کتنی کش مکش، کتنی پریشانیوں، کتنی ٹھوکروں، اور کتنی روحانی و جسمانی اذیتوں کے بعد اس مقام تک پہنچنا نصیب ہوا ہے؟

غرض زندگی کا کوئی میدان لے لیجیے، ہر جگہ آپ یہی دیکھیں گے کہ کمال اور ترقی کا ہیولی لذتوں کے خون سے تیار ہوتا ہے اور کمال کے مراتب جتنے بلند ہوتے ہیں، ان کے لیے قربانیاں بھی اتنی ہی زیادہ درکار ہوتی ہیں۔

نفس کی قربانی

دنیوی کمالات سب کے سب جزئی کمالات ہیں، اس لیے وہ قربانیاں بھی صرف جزئی چاہتے ہیں۔ دنیوی کمالات جتنے ہیں سب ماڈی ہیں یا ان میں ماڈے کی آمیزش ہے، اس لیے وہ قربانیاں بھی ایسی ہی چاہتے ہیں جو ماڈی قسم کی ہوں یا ماڈے سے لگاؤ رکھتی ہوں۔ دنیوی کمالات کا مقصود نفس یا تعلقاتِ نفس کے لیے فوائد کا حصول ہوتا ہے، لہذا ان کے لیے صرف وہ چیزیں قربان کی جاتی ہیں جو نفس اور اس کے محبوبات و مطلوبات سے ماسوا ہیں۔ مگر کمالِ حقیقی کا معاملہ سب سے جداگانہ ہے۔ یہ کُلّی کمال ہے، قربانی بھی کُلّی چاہتا ہے۔ ماڈے سے مجرد و منزه ہے، اس لیے جسم کی نہیں نفس و روح کی قربانی چاہتا ہے۔ گونا گویا ہر شکل کے اعتبار سے اس کے لیے بھی بہت سی ایسی قربانیاں دینا پڑتی ہیں جو ماڈی قسم کی ہیں، یا ماڈے سے لگاؤ رکھتی ہیں، لیکن دراصل

وہ ماڈے کی قربانیاں نہیں ہیں بلکہ ان محبتوں، ان دل چسپیوں، ان لذتوں اور ان علاقے کی قربانیاں ہیں جو انسانی روح اس دنیا کی مادی اشیا کے ساتھ رکھتی ہو۔ اس کمال کا مقصود نفس یا تعلقاتِ نفس نہیں، بلکہ حق ہے، اس لیے وہ خود نفس کی قربانی چاہتا ہے، اور بشرطِ ضرورت نفس کے ساتھ ہر وہ شے اس کے لیے قربان کرنی پڑتی ہے جو نفس کو مرغوب ہو۔

یہی نکتہ ہے جسے قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ:

لَنْ نُنْفِئَهُمْ اِلَّا بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنُفِئُوْهُمۡ اِحْتِاٰجًا يُحِبُّوْنَ ﴿۹۲﴾ (الاعراف: ۹۲)، یعنی تم نیکی کے مقامِ رفیع تک پہنچ نہیں سکتے جب تک کہ وہ چیزیں نہ خرچ کرو جنہیں تم عزیز و محبوب رکھتے ہو۔ یہ عَمَّا يُحِبُّوْنَ کا لفظ اتنی وسعت رکھتا ہے کہ جان، مال، اولاد، رشتہ دار، دوست، وطن، قوم، عزت، شہرت، ہر دلعزیزی، لذت و مسرت، عیش و آرام، عقائد و افکار، حریت خیال و آزادی عمل، غرض ہر محبوب شے اس میں داخل ہے، اور ان سب چیزوں کو عَمَّا يُحِبُّوْنَ کے دائرے میں لے کر حکم لگایا گیا ہے کہ اگر تم 'نیکی' کے اعلیٰ مراتب تک پہنچنا چاہتے ہو، تو تمہیں حق کی خاطر ان میں سے ہر چیز قربان کرنا پڑے گی۔

حق سب سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ تم اس سے محبت رکھو، وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴿البقرہ ۱۶۵﴾۔ جو چیز تمہارے دل میں اتنا گھر کر لے گی کہ اس کی محبت، حق کی محبت سے بڑھ جائے اور حق کے مقابلے میں تم اس کو عزیز رکھنے لگو، وہی بت ہے، صنم ہے، بنائے شرک و کفر ہے، نیکی کے مقام تک پہنچنے میں وہی سنگِ راہ ہے۔ اس کمال کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو پہلی ضرب اسی بت پر لگاؤ اور اسے پاش پاش کر کے حق کی محبت کو سب محبتوں پر غالب کر دو۔

غور سے دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ اسلام میں اول سے لے کر آخر تک جو کچھ ہے قربانی ہی قربانی ہے۔ اسلام میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے، انسان کو آزادی فکر و آزادی عمل کی قربانی دینی پڑتی ہے۔ 'اسلام، لانے کے معنی ہی یہ ہیں کہ اب آپ اس کے لیے آزاد نہیں ہیں کہ جو عقیدہ چاہیں اختیار کریں اور جو راہ عمل پسند کریں اس پر چلنے لگیں، بلکہ آپ کا کام وہ اعتقاد رکھنا ہے جو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا ہے، اور ان احکام و قوانین کے مطابق چلنا ہے جو خدا اور اس کے رسول نے مقرر کر دیے ہیں:

اَتَّبِعُوْا مَّا اُنزِلَ اِلَيْكُمْ مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَاءَ ط (الاعراف

۷:۳) جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تمہاری جانب اُتارا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور اسے چھوڑ کر ان کی پیروی نہ کرو جن کو تم نے دوست بنا لیا ہے۔

یہ 'اسلام'، یا 'نیکی' کے راستے میں پہلا قدم ہے، اور اسی پر اتنی بڑی قربانی دینی پڑتی ہے کہ اچھے اچھے اسی مقام پر ڈمگا جاتے ہیں۔ یہاں زندگی کے ہر شعبے میں حلال اور حرام کے حدود ہیں، غیبت اور طیب کے امتیازات ہیں، فرائض و طاعات ہیں، حقوق و واجبات ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسولؐ نے مقرر کیا ہے۔ داعیاتِ نفس قدم قدم پر انسان کو انہم و عُداوان کی طرف کھینچتے ہیں، مگر اسلام مطالبہ کرتا ہے کہ حدود اللہ پر نفس کی ساری خواہشوں کو بھینٹ چڑھاؤ، لذتوں کا خون کرو، فائدوں کو قربان کر دو۔ یہ تقویٰ اور پاکیزگی کی راہ بال سے زیادہ باریک ہے۔ اس پر ایک قدم بھی انسان اپنے جذبات و داعیات، اپنے لطف اور اپنے فوائد کی قربانی دیے بغیر نہیں چل سکتا۔ فضل و احسان کا مقام تو بہت بلند ہے، فرائض و واجبات کے ٹھیک ٹھیک بجالانے میں حقوق کو پوری طرح ادا کرنے، اور گناہ کے راستوں سے بچ نکلنے ہی میں نفس پر کچھ کم جبر نہیں کرنا پڑتا۔

اسلام — حق پر فدا ہو جانے کا نام!

جیسا کہ عرض کیا گیا، یہ تو صرف پہلا ہی قدم ہے، یہ پورا اسلام نہیں ہے، بلکہ اسے محض اسلام میں داخلے کا امتحان سمجھیے۔ اسلام صرف یہی نہیں ہے کہ آپ نماز پڑھیں، روزہ رکھیں، بشرط استطاعت حج اور زکوٰۃ ادا کریں، معاصی سے محترز رہیں اور حقوق ادا کرتے رہیں، بلکہ اسلام کی اصلی روح یہ ہے کہ آپ حق کو دنیا کی ہر شے سے زیادہ عزیز رکھیں اور جب موقع آئے تو کسی چیز کو بھی حق پر فدا کر دینے میں دریغ نہ کریں۔ اگر کوئی ایسا وقت آجائے کہ ایک طرف حق ہو اور اس کے ساتھ جان و مال کا زیاں ہو، مصیبتیں اور تکلیفیں ہوں، رسوائیاں اور ٹھوکریں ہوں، اور دوسری طرف باطل ہو، اور اس کے ساتھ عیش و آرام ہو، لطف و مسرت ہو، اور ہر طرح کے فائدے ہوں، تو مسلمان وہی ہے جو حق کے پہلو کو اختیار کرے، اور اس کی خاطر ان سب مصائب کو بخوشی برداشت کر لے:

وَلَسْتَبْلُوْا نَفْسَكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصِ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ط
وَيُبَشِّرِ الضَّالِّينَ ﴿۱۵۵﴾ إِذَا أَصَابْتُمُ مَّصِيْبَةً لَا قَالُوْا إِنَّا إِلَهُ وَإِنَّا إِلَٰهِيْهِ
رُجْعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ (البقرہ ۲: ۱۵۵-۱۵۶) ہم ضرورتاً کو کچھ خوف اور بھوک اور جان و مال

اور شمرات کے زیاں سے آزمائیں گے، اور (اے نبی) تو ان صبر کرنے والوں کو بشارت دے دے جن پر اگر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم خدا ہی کے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف پھرنا ہے۔

اگر کسی وقت خود اپنے باپ، بھائی، اہل خاندان اور دوست، حق کے دشمن ہو جائیں تو مسلمان وہی ہے جو حق کے لیے ان سب کو چھوڑ دے اور کسی سے تعلق نہ رکھے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ط (المجادلہ: ۵۸: ۲۲) تو کوئی قوم ایسی نہ پائے گا جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان بھی رکھتی ہو اور پھر اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت بھی رکھے، چاہے وہ دشمنانِ خدا و رسول ان کے باپ یا بھائی یا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

اگر کسی وقت قوم اور وطن کی حق سے دشمنی ہو جائے تو مسلمان وہی ہے جو حق کی خاطر قوم سے قطع تعلق کر لے اور وطن کو خیر باد کہہ دے، ورنہ اس کو منافق کہا جائے گا خواہ وہ کیسا ہی نمازی و پرہیزگار ہو:

فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ط (النساء: ۸۹) تم ان کو ہرگز دوست نہ بنانا جب تک کہ وہ خدا کی راہ میں ہجرت نہ کریں۔

اگر کسی وقت دشمنانِ اسلام کے خلاف جنگ کی ضرورت پیش آجائے تو مسلمان وہی ہے جو سرتھیلی پر لے کر مرنے اور مارنے کے لیے نکل آئے، اور حق کی خاطر جان قربان کر دینے میں ذرا دریغ نہ کرے۔ جس نے اس موقع پر کوتاہی کی، اس کا دعویٰ اسلام جھوٹا ہے خواہ کتنا ہی بڑا عابد و زاہد کیوں نہ ہو:

وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجُنُودِ فَبِأَذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۶۷﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ تَلَقَّوْا ﴿۱۶۸﴾ (ال عمران: ۱۶۷-۱۶۸) جس روز دونوں جماعتوں کی مُدْبِھِیْٹ ہوئی، اس دن تم پر جو مصیبت آئی وہ اللہ کے حکم سے تھی اور اس لیے تھی کہ مومنوں اور منافقوں کا فرق معلوم ہو جائے۔

غرض اسلام کچھ نہیں ہے مگر حق پر فدا ہو جانے اور ہر عزیز سے عزیز شے فدا کر دینے کا ایک عاشقانہ جذبہ۔ جس شخص میں یہ جذبہ موجود نہ ہو، جو شخص حق کے مقابلے میں جان یا مال، یا اولاد، یا ملک و قوم، یا کسی اور دنیوی چیز کو عزیز رکھتا ہو، اس کا اسلام ادھ موا بلکہ بے جان ہے۔

انبیاء و صالحین کی قربانی

قرآن مجید میں طرح طرح سے اس سچی اسلامی روح کو پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور اسی غرض کے لیے پچھلی امتوں کے انبیاء اور صالحین کے فداکارانہ واقعات کو مؤثر پیرائے میں دُہرایا گیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو حق کی طرف بلاتے ہیں، ساہا سال بلکہ قرنہا قرن تک شدید مصائب برداشت کرتے ہیں اور جب وہ نہیں مانتی تو خدا سے عرض کرتے ہیں کہ خدایا! ان کافروں میں سے ایک کو بھی جیتا نہ چھوڑ، رَبِّ لَا تَذَرْنَا عَلَى الْأَرْضِ مِنْ الْكَافِرِينَ ذِكْرًا! ﴿۱۰۱﴾ (نوح ۷۱: ۲۶)۔ ان کی آنکھوں کے سامنے بیٹا غرق ہوتا ہے، بیوی ہلاک ہوتی ہے، مگر ایمان میں ذرا فرق نہیں آتا۔

حضرت لوط علیہ السلام اپنی بدکار قوم کو چھوڑ کر ہجرت اختیار کرتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ کی طرف بلایا جاتا ہے اور قید و ذلت کی دھمکی دی جاتی ہے، تو وہ کہتے ہیں کہ مجھے گناہ کے مقابلے میں قید زیادہ محبوب ہے، رَبِّ الَّتِي نَجِّنِي مِنْهَا بِدْعُوْنِي بِالْبُوءِ ﴿۱۲﴾ (یوسف ۱۲: ۳۳)۔

فرعون کے ساحر حق کے ظاہر ہو جانے کے بعد بے تکلف اعلان کر دیتے ہیں کہ اَمَتَنَا يَرْبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۱﴾ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿۱۲﴾ (الاعراف ۷: ۱۲۱-۱۲۲) ”ہم پروردگار عالم پر ایمان لے آئے جو موسیٰ اور ہارون کا خدا ہے“۔ فرعون ان کو سخت عذاب دے کر ہلاک کر دینے کی دھمکی دیتا ہے تو وہ صاف کہہ دیتے ہیں کہ فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ ۗ إِنَّمَا تَقْفِي هَذِهِ الْحُبُوبَةَ الدُّنْيَا ﴿۱۶﴾ (طہ ۲۰: ۷۲) ”تجھے جو کچھ کرنا ہے کر گزر۔ تیرا حکم تو بس اسی دنیا کی زندگی پر چل سکتا ہے“۔

اصحاب کہف اپنی قوم کے مذہب سے علانیہ تبریٰ کرتے ہیں کہ ہم خداوند ارض و سما کو چھوڑ کر کسی کی عبادت نہ کریں گے، رَبَّنَا رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَنْ نَدْعُو مِنْ دُونِهَا إِلَهًا (الکہف

۱۴:۱۸)۔ اور جب قوم کے راستے سے ان کا راستہ الگ ہو جاتا ہے تو گھر بار، عزیز و اقارب سب کو چھوڑ کر ایک غار میں جا بیٹھتے ہیں۔

امام انسانیت حضرت ابراہیمؑ کا اسوہ

ان سب سے بڑھ کر حضرت ابراہیمؑ کی فداکاریاں تھیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے اسوہ حسنہ فرمایا ہے۔ انھوں نے حق کی خاطر وہ سب کچھ قربان کیا جو دنیا میں ایک انسان کو عزیز ہو سکتا ہے۔ باپ دادا کے مذہب کو چھوڑا اور صاف اعلان کیا کہ تمہارے معبودوں سے مجھے کچھ سروکار نہیں، اِنِّیْ بَرَّآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ (الزخرف ۲۶:۴۳)۔ قوم اور سلطنت اور خود اپنے باپ سے دشمنی مول لی۔ ان کے بتوں کو توڑا، قوم نے ان کو آگ کا عذاب دینا چاہا تو انھوں نے آگ کے گڑھے میں گرنا قبول کیا مگر حق کو چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ پھر اپنے باپ، اپنے خاندان اور اپنی قوم سب کو چھوڑ کر وطن سے تنہا نکلتے ہوئے اور سب سے کہہ دیا کہ ہمارا اب تم سے کچھ تعلق نہیں، ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی ہو گئی، تا وقتیکہ تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ، كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدَّثَهُ (الممتحنہ ۲:۶۰)۔

یہ سب محبتیں قربان کر دینے کے بعد ایک محبت باقی رہ گئی تھی جو حق کی محبت کے پہلو بہ پہلو دل میں جا گزیریں تھی۔ حکم ہوا کہ اس بت کو بھی توڑو۔ خواب میں دکھایا گیا کہ اپنے ہاتھوں اپنے عزیز بیٹے کو جو بڑھاپے کی لکڑی تھا، ذبح کر رہے ہیں۔ حضرت حق آزمانا چاہتے تھے کہ یہ دوستی کا مدعی اولاد کی محبت کو بھی ہماری محبت پر قربان کرتا ہے یا نہیں، مگر وہ سچا مسلمان اس آزمائش میں بھی پورا اُترا۔ اس کا دعویٰ عشق سچا تھا۔ جو کچھ خواب میں دیکھا تھا، بیداری میں بھی کر دکھانے پر آمادہ ہو گیا۔

اس طرح جب حق کی محبت پر ساری محبتیں قربان ہو گئیں، تب بارگاہِ خداوندی سے اپنے اس بندے کو ایمان کی سند دی گئی، اِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ (الصفّٰت ۱۱۱:۳)، اور اسے نوع بشری کا امام بنایا گیا، اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ﴿۱۲۴﴾ (البقرہ ۱۲۴:۲)۔ اور تمام عالم کے مسلمانوں سے کہا گیا کہ تمہارے لیے اس کی اور اس کے ساتھیوں کی زندگی ایک قابلِ تقلید نمونہ ہے، قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ ۗ (الممتحنہ ۲:۶۰)۔

عید الاضحیٰ کا تہوار اسی روح کو سال بہ سال تازہ کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ قربانی کی ظاہری شکل، جانور پر چھری چلانا، اس کا خون بہانا فی نفسہ مقصود نہیں ہے، بلکہ ان ظاہری اعمال سے دراصل اُس سب سے بڑی قربانی کی یاد تازہ کرنا مقصود ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے محبوبِ حقیقی کے لیے دی تھی۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ یہ فعل عبث ہے، ایک جانور کو ذبح کر دینے سے کیا فائدہ؟ مگر کوئی ان سے پوچھے کہ مہذب قومیں جو بڑے بڑے آدمیوں کے مجسمے نصب کرتی ہیں اور ان کی برسیاں مناتی ہیں، ان سے کیا حاصل ہوتا ہے؟ یہی ناکہ ان ظاہری علامتوں سے ان کے کارناموں کی یاد تازہ ہوتی ہے اور ان کی تقلید کا جذبہ دلوں میں زندہ ہوتا ہے۔

بس یہی فائدہ اس قربانی کا بھی ہے۔ خدا کو جانور کا گوشت پوست اور اس کا خون نہیں پہنچتا، بلکہ وہ ایثار و فدویت کی روح اس کو عزیز ہے جو اس کے پاک بندے ابراہیم کے رگ و پے میں جاری و ساری تھی، اور وہ چاہتا ہے کہ ہر مسلمان میں یہی روح پیدا ہو، ہر مسلمان اسی طرح اپنی تمام محبتوں کو حق کی محبت پر قربان کرنے کے لیے آمادہ رہے:

لَنْ يَنْتَظِرَ اللَّهُ لِحُومِهَا وَلَا دِمَائِهَا وَلَكِنْ يَنْتَظِرُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ ۗ (الحج ۳۷:۲۲) اللہ کو ان کے گوشت اور ان کے خون نہیں پہنچتے بلکہ اسے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ (ترجمان القرآن، فروری ۱۹۳۴ء)